ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.01 (2025)

تجارتی معاملات میں "مبیع سے متعلق شرائط" کا اسلامی فقہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

AN ANALYTICAL STUDY OF STIPULATIONS CONCERNING THE SUBJECT MATTER OF SALE (MABĪ‘) IN ISLAMIC JURISPRUDENCE

1. **Dr. Rizwan Ali**[1]
2. **Dr. Mahmood Ahmad** *(Corresponding Author)* [2]

Abstract

Throughout history, human beings have engaged in the exchange of essential goods to fulfill their needs. Among the various methods of exchange, trade has emerged as a prominent and widely practiced system, wherein the contracting parties—the seller (بائع) and the buyer (مشتری)—engage in the transaction of goods. In such transactions, the object being sold or purchased is termed "مبیع" (the subject of sale), while the price is referred to as "thaman" (ثمن). Islamic jurisprudence (fiqh) has extensively discussed the subject of trade and its various conditions. One of the significant subtopics within commercial transactions is the legal rulings pertaining to the "mabī‘." When examining the rules and conditions related to the mabī‘, researchers encounter two primary categories of conditions: **Essential Conditions** of the Mabī‘: These are conditions whose presence or absence directly affects the validity of the contract of sale. The soundness or invalidity of the contract depends on these conditions.

Stipulated Conditions by Contracting Parties: These are not explicitly prescribed by Islamic law but are introduced by either party at the time of the contract. Jurists have discussed such conditions under the heading "shurūṭ fī al-mabī‘" (شروط فی المبیع). This research article focuses on the latter category, analyzing, in light of Islamic legal sources, the rulings concerning conditions stipulated by the contracting parties regarding the mabī‘ at the time of sale. For instance, if a buyer stipulates that "the animal must be a milk-yielding one" or "the animal must produce ten litters of milk daily for the sale to be valid," the study investigates whether such conditions are permissible and valid within Islamic jurisprudence.

Keywords: Conditions in trading, Conditions by Contracting Parties, Islamic law about Transaction of goods, Valid conditions in trading, Invalid conditions.

تمہید

بنی نوع انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کے مختلف اُوقات میں مختلف اشیائے ضروریہ کا لین دین کرتے ہیں۔ لین دین کے مختلف طریقوں میں سے ایک معروف اور متداول طریقہ تجارت ہے۔ جس میں عاقدین (بائع اور مشتری) کسی چیز کی خرید وفروخت کرتے ہیں۔ خرید وفروخت میں جس چیز کو خریدا یا فروخت کیا جاتا ہے اس کو "مبیع" اور اس کے عوض کو "ثمن" کہا جاتا ہے۔ اسلامی فقہ میں تجارت کے موضوع اور اس کی جزئیات کو تفصیل کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے۔ تجارتی معاملات کے ذیلی عنوانات میں سے ایک اہم عنوان "مبیع" کے احکام بھی ہے۔ مبیع کے احکامات اور شرائط کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک محقق کے سامنے دو طرح کی شرائط آتی ہیں: 1۔ کچھ شرائط ایسی ہیں جو مبیع کی شرائط ہیں جن کی موجودگی اور عدم موجودگی عقد بیع کے منعقد ہونے پر اثر انداز ہوتی ہے اور ان پر عقد کی صحت وعدم صحت کا دار و مدار ہوتا ہے۔ 2۔ جب کہ کچھ شرائط ایسی ہیں جو شارع نے تو بیان نہیں فرمائیں لیکن عاقدین میں سے کوئی فریق عقد بیع کے وقت شرط رکھے تو ایسی شرائط کو فقہاء نے "شروط فی المبیع" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں ثانی الذکر شرائط کا اسلامی فقہی ذخیرہ کی روشنی میں مطالعہ کیا گیا ہے یعنی عاقدین بیع کرتے وقت مبیع سے متعلق اگر کوئی شرط رکھتے ہیں تو اس

[1] Senior Subject Specialist Islamic Studies BS-18 || DrRizwanAli@hotmail.com ||

[2] Assistant Prof. Govt. College University, Faisalabad.

کا حکم کیا ہوگا؟ مثال کے طور پر کوئی مشتری شرط رکھے: "جانور دودھ دینے والا ہو یا یہ کہے کہ جانور روزانہ دس کلو دودھ دینے والا ہو تب بیع ہوگی"۔ تو ایسی شرائط جائز و درست ہوں گی یا نہیں؟

مبیع کی شرائط اور مبیع کے متعلق شرائط میں فرق

مبیع کی شرائط[1] اور مبیع کے متعلق شرائط میں موجود فرق کی تفہیم کے لیے الشیخ محمد بن صالح العثیمین نے ان کے مابین چار طرح کے فروق بیان کیے ہیں:

- ❖ مبیع کے متعلق شرائط کو فقہاء نے "الشروط الجعلیہ" کا نام بھی دیا ہے کیونکہ یہ شرائط شارع کی طرف سے مقرر کردہ نہیں ہوتیں بلکہ بائع اور مشتری کی طرف سے خود لگائی جاتی ہیں۔ جب کہ مبیع کی شرائط یا بیع کی شرائط کو "الشروط الشرعیۃ" کہا جاتا ہے کیونکہ یہ شرعی طور پر ثابت ہیں۔
- ❖ شرعی شرائط پر بیع کی صحت اور عدم صحت کا دارو مدار ہے جب کہ شرائط جعلیہ بیع کے لزوم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس میں بیع تو درست ہو جائے گی لیکن اگر کسی نے کوئی شرط لگا رکھی ہے تو وہ اس شرط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے اختیار رکھتا ہے کہ عقد کو فسخ کر دے۔
- ❖ شرعی شرائط کو ساقط نہیں کیا جا سکتا جب کہ شرائط جعلیہ کو ساقط کیا جا سکتا ہے۔
- ❖ شارع نے جو شرائط بتائی ہیں وہ ساری کی ساری صحیح ہیں ان میں غلط ہونے کا احتمال نہیں ہے جب کہ شرائط جعلیہ میں صحت اور عدم صحت دونوں کا امکان موجود ہے کیونکہ یہ عاقدین نے مقرر کی ہیں جن سے غلطی ہو سکتی ہے۔[2]

مبیع کے متعلق شرائط رکھنے کا جواز

جمہور فقہاء کرام "الاصل فی الشروط الجواز والصحۃ" یعنی شرائط میں اصل یہ ہے کہ ان کا لگانا درست اور جائز ہے، کے قائل ہیں۔ اگرچہ ظاہری فقہاء نے جمہور فقہاء کے جواز کے موقف سے اس معاملے میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ "الاصل فی العقد والشروط الصحۃ الا ما ابطلہ الشارع اونھی عنہ[3] کہ عقد اور شرائط میں اصل بات اس کی صحت اور درستی کی ہی ہے الا یہ کہ شریعت نے اس سے منع کیا ہو۔ جواز کے قائلین فقہاء نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَالَّذِینَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ[4] "اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدہ کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔ اسی طرح فقہاء نے یہ بھی دلیل دی ہے کہ تعبدی امور میں تو اصل حرمت ہے جبکہ معاملات میں اصل حلت ہے نہ کہ حرمت، یہاں تک کہ اس کی حرمت پر یا ممنوع ہونے پر کوئی دلیل آجائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَیْعَ[5] اسی طرح سورۃ النساء میں ہے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ[6] "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوائے اِس کے کہ تم میں باہمی رضامندی سے تجارت ہو"۔ لہذا عاقدین اگر باہمی رضامندی سے کوئی شرط رکھیں تو یہ درست اور جائز ہے کیونکہ عقود اور شرائط میں اصل حلت ہے بشرطیکہ وہ شرط کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو، نزاع کا سبب نہ بنے اور فریقین میں سے کسی کے لیے نقصان کا باعث نہ ہو۔

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل بحث ہے کہ عرف میں موجود کوئی شرط از خود عقد میں شامل سمجھی جائے گی یا اسے بطور خاص ذکر کرنا ضروری ہے؟ اس کے متعلق فقہاء کا یہ موقف ہے کہ عرف میں جو شرط موجود ہو وہ لفظی شرط کی طرح ہی سمجھی جائے گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب البیوع میں باقاعدہ اس کے متعلق باب قائم کیا ہے کہ: "باب من اجری امر الامصار علی مایتعارفون بینھم فی البیوع ، والاجارۃ والمکیال والوزن وسننھم علی نیاتھم ومذھبھم المشھورۃ" فتح الباری میں مرقوم ہے کہ اس باب کو قائم کر کے امام بخاریؒ عرف پر اعتماد کو ثابت کر رہے ہیں[7] اسی طرح امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ان الحکم بین المسلمین فی معاملاتھم و اخذھم واعطائھم علی المتعارف المستعمل بینھم"[8] کہ مسلمانوں کے معاملات اور لین دین کے متعلق ان کے مابین موجود عرف کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا۔ امام سرخسی اور امام کاسانی رحمھما اللہ نے بھی اسی موقف کو نقل فرمایا ہے۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے کہ "المعروف بین التجار کالمشروط بینھم" تجار کے مابین جو چیز معروف ہے وہ طے شدہ شرط کی مانند ہی ہے۔ اگلی دفعہ میں مزید وضاحت ہے کہ "التعیین بالعرف کالتعیین بالنص"[9] عرف کی وجہ سے متعین چیز گویا کہ نص کی بنیاد پر متعین شدہ کی طرح ہی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

کہ عرفی شرط، لفظی شرط کی طرح ہی ہے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھاہے کہ "المشروط عرفا كالمشروط لفظا"[10] نیز اس معاملے میں شافعی، حنبلی اور مالکی فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔

مبیع کے متعلق شرائط کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: 1۔ مبیع کے متعلق معتبر و جائز شرائط 2۔ مبیع کے متعلق غیر معتبر و فاسد شرائط

1۔ مبیع کے متعلق معتبر شرائط

مبیع کے متعلق لگائی جانے والی شرائط میں سے کچھ شرائط ایسی ہیں جو جائز و صحیح ہیں اور کچھ شرائط ایسی ہیں جو فاسد ہیں۔ مبیع کے متعلق درست و جائز شرائط کو فقہاء کرام نے درج ذیل اقسام میں منقسم کر کے ذکر کیا ہے:

بیع کے متعلق لگائی گئی ایسی شرط جس کا عقد تقاضا کرتا ہو

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: معنى كون الشرط يقتضيه العقد : ان يجب بالعقد من غير شرط[11] کہ وہ ایسی شرط ہو کہ اگر اسے نہ بھی لگایا جائے تو عقد کرنے سے ہی اس کا مقصد پورا ہو جائے۔ تو ایسی شرط کا ذکر نہ بھی کیا جائے تو یہ موجود ہی ہوتی ہے اس کا ذکر کرنا یا نہ کرنا عقد پر اثر انداز نہیں ہوتا، ایسی شرط کا ذکر صرف وضاحت اور تاکید کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ بائع یہ شرط لگائے کہ عقد کے بعد وہ ثمن کا مالک بن جائے گا، یا مشتری یہ شرط لگائے کہ وہ مبیع کا مالک بن جائے گا اور اس میں تصرف کرے گا۔ کوئی مشتری یہ شرط لگائے کہ وہ اس سواری پر سوار ہو گا وغیرہ۔ ایسی شرط تمام معروف فقہی مسالک کے فقہاء کے نزدیک صحیح اور لازم ہے۔[12]

مبیع کے متعلق ایسی شرط جس کا عقد تو تقاضا نہیں کرتا لیکن وہ عاقد کے لیے فائدہ مند ہے

فقہاء کرام نے اس شرط کو مباح اور صحیح شرائط میں شمار کیا ہے کہ مبیع کے متعلق مشتری کوئی ایسی شرط لگائے جو درست اور جائز ہو۔ جیسا کہ کوئی مشتری گائے یا بھینس کے متعلق شرط لگائے کہ وہ دودھ دیتی ہو، یا یہ شرط لگائے کہ اس کے ساتھ جو دودھ پیتا بچہ ہے وہ مادہ ہو، یا یہ شرط لگائے کہ مبیع سدھایا ہوا جانور ہو جیسے گھوڑا اور آواز نکالنے والا پرندہ وغیرہ۔ موجودہ دور میں کوئی مشتری کسی گاڑی کے متعلق یہ شرط لگائے کہ اس کو اب تک کسی ایک مالک نے ہی اپنے استعمال میں رکھا ہو وہ زیادہ جگہوں پر فروخت نہ ہوئی ہو، گاڑی کا ایکسیڈنٹ نہ ہوا ہو، یا اسی کارنگ کمپنی والا ہی ہو۔ جدید آلات کے متعلق بھی مارکیٹ میں یہ شرط پائی جاتی ہے کہ لیپ ٹاپ یا موبائل ریپیرنگ کے لیے کھولا نہ گیا ہو وغیرہ۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اگر عاقد ایسی شرط لگائے جس کا عقد تقاضا تو نہیں کرتا لیکن اس شرط میں عاقد کی مصلحت موجود ہے جیسا کہ مبیع غلام کا درزی کا کام جاننے والا ہونا، یا خطاط ہونا وغیرہ تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ شرائط صحیح ہوں گی[13]۔ یہ شرط بھی ان شرائط سے ہے جس پر فقہاء کا اتفاق ہے[14] امام ابن قدامہؒ اور دیگر نے لکھا ہے کہ ایسی شرط کو پورا کرنا لازمی ہے۔ اگرچہ آگے کچھ مسائل کی تفصیلات میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں جن کو ذیل میں چند مسائل کی شکل میں بیان کیا جارہا ہے:

مسئلہ اول: اگر مشتری یہ شرط لگائے کہ مبیع حاملہ ہو تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے[15] احناف کے ایک قول اور اسی طرح شوافع کے ایک قول کے مطابق لونڈی کے معاملے میں یہ درست ہے جانوروں میں نہیں[16] حنابلہ اور شوافع کے راجح قول کے مطابق یہ شرط درست ہے[17] ایک چوتھا موقف بھی ہے کہ اگر حمل ظاہر اور واضح ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں یہ بعض مالکیہ کی رائے ہے۔ بہر حال اس میں مانعین کی دلیل یہ ہے کہ جانوروں کے حمل کا یقینی طور پر معلوم نہیں کیا جا سکتا بالخصوص جب ابتدائی دنوں میں ہوں تو اس میں غرر اور جہالت موجود ہے جس وجہ سے یہ شرط جائز نہیں۔ جنہوں نے لونڈی میں اجازت دی ان کے نزدیک بھی یہی وجہ ہے کہ لونڈی تو انسان ہونے کے ناطے خود بھی اس کے متعلق بتا سکتی ہے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں، جب کہ جانور نہیں بتا سکتے۔ جنہوں نے اسکے جواز کی بات کی ہے ان کے نزدیک حمل کو معلوم کیا جا سکتا ہے حتی کہ ماہرین اس معاملے میں حتمی رائے دے سکتے ہیں کہ آیا یہ مادہ حاملہ ہے یا نہیں۔ اور دور حاضر میں الٹراساونڈ مشینوں کی مدد سے حتمی بات باآسانی معلوم کی جا سکتی ہے۔ تاہم یہ شرط لگانا کہ اس مادہ کے پیٹ میں لازمی طور پر مادہ حمل یا نر حمل ہو تو یہ بالاتفاق غیر صحیح شرط ہے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

مسئلہ دوم: اگر مشتری یہ شرط لگائے کہ مبیع ایسا جانور ہو جو دودھ دیتا ہو تو اس کے متعلق جمہور فقہاء کی یہ رائے ہے کہ یہ شرط صحیح ہے[18] تاہم احناف، شافعیہ اور حنابلہ نے اس میں مزید یہ واضح کیا ہے کہ اگر تو شرط اتنی ہی ہو کہ مبیع دودھ دینے والی ہو تو یہ شرط جائز ہے اور اگر اس میں یہ قید ہو کہ روزانہ کا اتنی مقدار میں دودھ دینے والی ہو تو یہ شرط جہالت اور غرر کی وجہ سے جائز نہیں ہے کیونکہ اس شرط کو پورا نہیں کیا جاسکتا اور اس میں دھوکہ کا بھی امکان ہے[19]۔

مسئلہ سوم: اگر مشتري نے یہ شرط لگائی کہ "مبیع جانور" یا "مبیع پرندہ" ایسا ہو جو شکار کرنا جانتا ہو یا اس سے کوئی خاص کام لیا جاسکے اور وہ اس کام کی مہارت رکھتا ہو۔ تو اس شرط میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ شرط جائز ہے[20] حنابلہ کی بھی یہی موقف ہے[21] کیونکہ جانوروں کے ذریعے سے شکار کرنا ایک مباح عمل ہے اور اس کے لیے باقاعدہ طور پر جانوروں کو شکار کرنے پر سدھایا بھی جاتا ہے یہ اسی طرح ہے جیسے کسی غلام کو سلائی اور کتابت کا کام سکھایا جائے یا جاریہ کو کھانا پکانا سکھایا جائے۔ اور جانوروں میں مطلوبہ صلاحیت کے ہونے یا نہ ہونے کو عملی طور پر چیک بھی کیا جاسکتا ہے لہذا اس میں کوئی غرر کا بھی شائبہ نہیں ہے۔

مسئلہ چہارم: یہی مذکورہ حکم مشتری کی طرف سے قمری[22] کی خرید کے لیے اچھی آواز کی شرط لگانے کا ہے لیکن اس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ موقف ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس خصوصیت کو جانچا نہیں جاسکتا اس وجہ سے اس شرط میں غرر موجود ہے اور یہ شرط فساد کا سبب بن سکتی ہے کیونکہ پرندہ آواز اسی وقت نکالے گا جب اس کی مرضی ہو گی اس کو آواز نکالنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا[23] اسی طرح فتاوی ہندیہ میں مرقوم ہے: ولو اشترىٰ حمامۃ علی انھا تصوت كذا وكذا صوتا ، فالبیع فاسد لانہ لایمکن اجبار الحمام علی ذلک، والمشروط لا یمکن التعرف عنہ للحال[24] کہ حمامہ کی آواز کو چیک نہیں کیا جاسکتا لہذا جس چیز کی شرط لگائی جارہی ہے اس سے آگاہی ممکن نہیں ہے۔ لیکن فتاوی ہندیہ میں ہی امام محمد بن الحسنؒ کے اس قول اور دلیل کو بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مشتری نے "قمری" اس شرط پر خریدی کہ وہ اچھی آواز نکالتی ہے تو جب وہ آواز نکالے اور مشتری اس کو سن لے تو بیع جائز ہو گی۔ یعنی امام محمد بن الحسنؒ کے نزدیک اس کی آواز کو جب سننا ممکن ہے اور اس مشتری کسی بھی وقت اس کی آواز سن لے تو بیع تو ٹھیک ہو جائے گی اسی طرح حنابلہ نے بھی اچھی آواز کی شرط کے ساتھ قمری کی بیع کو درست قرار دیا ہے۔[25] کیونکہ ان کے نزدیک جب قمری کی آواز یا کسی بھی آواز والے جانور کی آواز کو جانچا جاسکتا ہے تو اس کی بیع میں اس کی شرط لگانا بھی درست ہے اور یہ شرط غرر کا سبب نہیں بن رہی۔ امام محمد رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب اس نے بولا اور سننے والے نے سن لیا تو غرر کا احتمال تو جاتا رہا۔

مبیع کے متعلق کوئی ایسی شرط لگانا جس کا عقد تقاضا یا نفی نہیں کرتا ہے تاہم یہ شرط عقد کے لیے فائدہ مند ہے

اس سے مراد وہ شرط ہے جو عقد کے منافی تو نہیں لیکن شرط لگائے بغیر مطلقاً عقد کرنے سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے جو بائع یا مشتری حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ مقاصد بھی ایسے ہیں جو عقد کے معاملے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ ایسی شرائط کے متعلق بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ شرائط صحیح اور لازم ہوں گی کیونکہ یہ عقد کے منافی نہیں ہیں بلکہ عقد کے لیے فائدہ مند ہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ "وکذلک البیع بشرط اعطاء الکفیل، ان الکفیل ان کان حاضرا فی المجلس وقبل جاز البیع استحسانا"[26] یعنی اگر کسی نے بیع میں کفیل کی شرط رکھی تو یہ جائز ہے۔ یہ کفیل یا گارنٹر کا بائع اور مشتری میں سے کوئی بھی مطالبہ کر کے شرط رکھ سکتا ہے یعنی یہ شرط مبیع کے متعلق بھی رکھی جاسکتی ہے اور ثمن کے متعلق بھی۔ علامہ شیرازیؒ[27] لکھتے ہیں کہ اگر اس نے ایسی شرط لگائی جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا لیکن اس میں عقد کے لیے کوئی مصلحت موجود ہے جیسے خیار، مہلت، رہن، گارنٹر تو عقد باطل نہیں ہو گا کیونکہ شریعت میں اس کی گنجائش موجود ہے[28] امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رہن، کفیل، ضمین، تاجیل اور تین دن کے خیار کی شرط لگانا ایسے امور ہیں جن پر امت متفق ہے[29] اگرچہ آگے مختلف مسائل کی تفصیلات جیسے مہلت اور خیار وغیرہ میں فقہاء کی آراء مختلف بھی ہیں۔

اگر بائع یہ شرط لگائے کہ مبیع کی قیمت (جو ادھار ہے) کی گارنٹی کے طور پر مشتری فلاں چیز میرے پاس بطور رہن رکھے تو یہ رہن کی شرط لگانا جائز ہے کیونکہ قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 283 میں رہن رکھنے کا ثبوت موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے: عن عائشة رضي الله عنها قالت: اشترى رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا، وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ[30] کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی سے کھانے کی کچھ اشیاء

خریدیں اور اپنی درع بطور رہن اس کے پاس رکھی۔ امام شافعیؒ کی الام میں رہن کے ابواب میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ رہن کے مشروع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے[31]

رہن کی طرح کفیل کی شرط لگانا بھی درست اور جائز ہے۔ درر الحکام اور حاشیہ ابن عابدین میں اس کے درست ہونے پر اجماع بیان کیا گیا ہے۔[32] کیونکہ اگر بائع اپنی قیمت کے لیے یا مشتری مبیع کے سلسلے میں کسی خدشے کا شکار ہو تو وہ اپنے اطمئنان کے لیے ضامن یا کفیل کی شرط لگا سکتا ہے۔

مبیع کے متعلق ایسی شرط جس میں عاقدین میں سے کسی ایک فریق کا فائدہ ہو

اس شرط سے مراد وہ شرط ہے جس میں فریقین میں سے کوئی فریق مبیع کے متعلق ایسی شرط لگائے جس کا عقد تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی اس کی نفی کرتا ہے اور وہ شرط عقد کے لیے کوئی مصلحت بھی نہیں رکھتی تاہم شرط لگانے والے کو اس کا فائدہ ہے۔ مثلا کوئی بائع اپنی سواری فروخت کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ میں فلاں جگہ تک اس پر سوار ہو کر جاوں گا یا کوئی بائع اپنا مکان فروخت کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ عقد کے بعد ایک ماہ تک میں اسی مکان میں قیام کروں گا۔ اسی طرح مشتری بھی اپنے فائدے کے لیے بسا اوقات شرط رکھ سکتا ہے جیسا کہ کوئی مشتری کسی بائع سے کوئی سامان خریدتا ہے اور ساتھ یہ شرط لگاتا ہے کہ آپ نے یہ سامان فلاں جگہ پر پہنچانا بھی ہے یا کوئی کپڑا خریدے اور ساتھ یہ شرط لگائے کہ اس کی سلائی بھی آپ نے ہی کروا کر دینی ہے۔ اب ایسی شرائط کا عقد کی مصلحت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جیسے رہن یا ضمین کی شرط سے عقد کے لین دین میں گارنٹی سے مزید اطمئنان پیدا ہوتا ہے۔

اس شرط کے متعلق فقہاء کی متضاد آراء موجود ہیں، جن کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے:

1۔ایک موقف یہ ہے کہ مبیع میں ایسی شرط صحیح ہے اور لازم ہے یہ مالکی اور حنبلی فقہاء کا موقف ہے[33] حنابلہ میں سے ابن رجب حنبلیؒ نے اس شرط کو دو صورتوں میں تقسیم کرکے ان پر حکم لگایا ہے لکھتے ہیں کہ عاقدین میں سے کوئی ایک اپنے نفع کے لیے اگر کوئی شرط رکھے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ کہ اضافی شرط کے عوض مشتری کوئی عوض بھی رکھے تو یہ درست ہوگا (یعنی مشتری یہ کہے کہ اس مبیع کو میرے گھر بھی لازمی طور پر چھوڑ کر آنا ہے اور اس کا آپ کو معاوضہ ملے گا)۔

دوسری صورت یہ کہ مشتری بائع پر کوئی ایسی چیز لازم کرے جو عقد کی وجہ سے لازم نہیں ہوتی اور اس کے عوض کوئی چیز بھی نہ دے تو یہ درست نہیں۔[34]

جن فقہاء نے اس شرط کو مطلقا درست کہا ہے انہوں نے بھی اس کی کچھ حدود مقرر کی ہیں:

- جس اضافی منفعت کی شرط لگائی جارہی ہے وہ مباح اور جائز ہو، اگر وہ کوئی حرام شرط ہو تو جائز نہیں ہوگی۔ جیسے بائع کوئی لونڈی فروخت کرے اور اس کے بعد اس سے کچھ عرصہ تک کے لیے استمتاع کی شرط رکھ دے تو یہ جائز نہیں۔
- منفعت کی مدت قلیل سی مدت ہو، وہ اتنی زیادہ نہ ہو کہ مبیع کی حالت ہی تبدیل ہو جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فروخت شدہ گھر میں کچھ عرصہ رہنے کی مدت کے متعلق بیان کیا ہے کہ یہ قلیل مدت کے لیے تو درست ہے اگر طویل مدت کے لیے شرط ہو تو یہ درست نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو اور قرض بھی اتنا ہو کہ اس کا گھر بیچ کر ادا ہو سکے تو اس عدت گزارنے والی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ گھر بیچ دیا جائے گا اور خریدنے والے سے اس عورت کو اسی گھر میں عدت گزارنے کی مہلت لے کر دی جائے گی۔[35]
- تیسری قید یہ لگائی گئی ہے کہ جس منفعت کی شرط لگائی جارہی ہے وہ معلوم اور متعین ہو۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس کو اجارہ کے قائم مقام رکھا ہے تو اگر کسی مشتری نے بائع سے کوئی چیز خریدی اور اسے کہا کہ اسے میرے گھر پر پہنچانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ اگر بائع کو مشتری کے گھر علم نہیں تھا کہ کتنی مسافت پر ہے تو جہالت اور غرر کی وجہ سے یہ شرط درست نہیں ہوگی۔[36]

2۔دوسرا موقف یہ ہے کہ یہ شرط غیر صحیح ہے لیکن اس موقف میں آگے مزید دو آراء ہیں پہلی رائے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمھما اللہ کی ہے کہ یہ شرط بھی باطل ہے اور عقد بھی باطل ہے جب کہ امام طحاوی اور ابن ابی لیلی رحمھما اللہ کا موقف ہے کہ شرط تو باطل ہے لیکن یہ عقد درست ہے۔[37]

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

اس شرط کے عدم جواز کے قائلین فقہاء نے اپنے موقف کے حق میں دلائل دیئے ہیں؛ بدائع الصنائع میں ہے کہ مبیع کے علاوہ بیع میں اضافی منفعت کی شرط لگانا سود کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ اس اضافی منفعت کے عوض فریق ثانی کو کچھ نہیں مل رہا لہذا جس بیع میں سود ہو گا وہ فاسد ہو گی[38] لیکن اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ سود کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ جب ایک فریق نے عقد کرتے وقت کوئی شرط رکھی تو دوسرے فریق نے مبیع کی قیمت بھی اسی حساب سے مقرر کی اور اس پر فریقین نے اتفاق کیا۔ دوسری بات یہ کہ جس طرح عقد میں بسا اوقات ثمن کی ادائیگی کے لیے تھوڑی مہلت دے دی جاتی ہے اسی طرح مبیع میں بھی معلوم مہلت دی جاسکتی ہے۔ اس شرط کے جواز کے قائلین فقہاء نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی دلیل بنایا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ناقہ فروخت کی تو مدینے تک اس پر سواری کی شرط رکھی تھی[39] جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یسیر مدت تک تاجیل کی جاسکتی ہے۔

مانعین نے یہ بھی دلیل دی ہے کہ "ان النبی ﷺ نهى عن بيع و شرط" کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع اور شرط کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لہذا بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے۔ جب کہ قائلین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے جیسا کہ الفتاوی الکبری میں ہے: "هذا حديث باطل وليس في شيء من كتب المسلمين وانما يروى في حكايات منقطعة"[40] دوسرا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر بالفرض اس حدیث کو سنداً درست مان لیا جائے تو اس کے علاوہ بہت سی ایسی شرائط ہیں جن کو تمام فقہاء نے بیع میں درست مانا ہے اور اس پر ہر فقہی سکول کے فقہاء نے اجماع تک نقل کیا ہے لہذا جیسے وہ شرائط درست ہیں اسی طرح یہ شرط بھی درست ہے۔

مانعین نے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ جب مشتری نے کوئی سامان خریدا اور ساتھ اس سامان کو مشتری کے گھر پہنچانے کی شرط بھی بائع کے لیے رکھ دی اور اس کے لیے اس نے ایک خاص ثمن اسے دے دی تو اس میں جہالت موجود ہے۔ مستقبل میں کسی نزاع یا خیار کی وجہ سے یہ کیسے معلوم ہو گا کہ مبیع کی اصل قیمت کتنی ہے اور جو گھر تک پہنچانے کا عقد اجارہ کیا تھا اس کا کرایہ کتنا ہے جب ثمن میں جہالت پائی جائے گی تو عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ اس عقد میں بیع اور اجارہ کو جمع کیا گیا تھا۔

جواز کے قائلین فقہاء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ معمولی مدت یا معمولی اجارہ جہالت کے زمرے میں نہیں آسکتا کیونکہ مارکیٹ میں موجود لوگ جانتے ہیں کہ فلاں چیز کی ثمن کیا ہے اور اس کام کا اجارہ کتنا ہے۔ اور اس سے جہالت کا دعوی سچ ثابت آئے تو ایک ثمن سے متعدد اشیاء کی خرید و فروخت ممنوع ہونی چاہیے لیکن اس کے متعلق ممنوع ہونے کی کسی نے بھی بات نہیں کی کہ ایک ہی ثمن میں ایک سے زیادہ اشیاء ایک وقت میں نہیں خریدی جاسکتیں۔

اس شرط کی صحت کے قائلین کی ایک اہم دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو چند سطور قبل ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس حدیث کو دلیل بنانے کے حوالے سے مانعین فقہاء کرام نے کچھ اعتراضات اٹھائے ہیں: کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے روایت کی گئی ہے اور کچھ جگہوں پر مدینہ تک سواری کرنے کی شرط کے الفاظ موجود نہیں ہیں جیسا کہ کچھ روایات میں "افقرنی رسول الله ﷺ ظهره الى المدينہ" کے الفاظ ہیں اور کچھ روایات میں " ولک ظهره الى المدينة" کے الفاظ ہیں۔ لہذا ان طرق سے شرط کی دلیل نہیں بنائی جاسکتی۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " اضطراب الفاظ الناقلين لخبر جابر في ذلک كثير "[41] اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس شرط کے جواز کے قائلین کا اس حدیث سے استدلال کرنے کا دو طرح سے جواب دیا ہے: پہلی بات یہ کہ یہ استثناء بیع مکمل ہونے کے بعد لیا گیا ہے عقد کرتے وقت یہ استثناء نہیں لیا گیا لہذا یہ استثناء الگ چیز ہے اور عقد الگ چیز ہے۔ دوسری بات یہ کہ نبی اکرم ﷺ اس ذریعے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ثمن دینا چاہتے تھے آپ ﷺ کا ارادہ حقیقی طور پر بیع کرنے کا نہیں تھا (کیونکہ آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر حضرت جابر کو اونٹنی اور اس کی ثمن دونوں چیزیں دے دی تھیں)۔ جب آپ ﷺ کا ارادہ بیع کا نہیں تھا تو ملک تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہی تھی اور انہوں نے اپنی ہی ملکیت والی سواری پر سفر کیا۔[42]

جواز کے قائلین فقہاء نے ان اعتراضات کا جواب یوں دیا ہے کہ حدیث کے متن میں اضطراب والی بات درست نہیں ہے کیونکہ حدیث کے متعدد طرق منقول ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو زیادہ طرق میں شرط کے الفاظ موجود ہیں اور ان میں سے کچھ صحیحین میں موجود ہیں اور جن طرق میں شرط کے الفاظ نہیں ہیں در حقیقت وہ روایت بالمعنی کی گئی ہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ طرق جن میں شرط کا لفظ موجود ہے وہ ان روایات سے زیادہ ہیں جن میں یہ نہیں ہے اس وجہ سے ان کو ترجیح دی جائے گی کیوں کہ یہ طرق زیادہ صحیح اور ان کے رواۃ اَحفَظ ہیں اور جن طرق میں شرط کا ذکر نہیں وہ دوسری روایات کی نفی نہیں کرتیں بلکہ "ولک

ظہرہ" جیسے الفاظ سے یہ بات قطعاثابت نہیں ہوتی کہ شرط والا معاملہ ان سے پہلے نہیں ہوا[43] علامہ ابن حجرؒ نے اس سے کچھ آگے چل کر علامہ ابن دقیق العیدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر روایات مختلف ہوں اور ایک جیسی برابر ہوں تو ان سے دلیل نہیں پکڑی جائے گی لیکن جب ترجیح ممکن ہو اور کچھ روایات تعداد میں دوسری روایات سے زیادہ ہوں اور رواۃ بھی زیادہ مضبوط ہوں تو راجح پر عمل کیا جائے گا جب ایک ضعیف روایت کی وجہ سے قوی روایت پر عمل ترک نہیں کیا جاسکتا تو ایک مرجوح کی وجہ سے راجح کو بھی ترک نہیں کیا جائے گا۔

اور جہاں تک تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارادے کا، کہ آپ ﷺ نے بیع کا ارادہ نہیں کیا تھا، اگر اس کو درست مان بھی لیا جائے تو دوسری طرف حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نیت تو پوری طرح بیع کرنے کی تھی۔ یہ بیع ہوئی بھی مساومت کے ذریعے تھی۔ اگر یہ شرط درست نہ ہوتی تو جب آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ثمن اور ناقہ واپس کی تھی ساتھ یہ بھی لازمی طور پر بتاتے کہ بیع کے معاملے میں یہ شرط غیر صحیح اور باطل ہے اور جس طریقے سے یہ بیع منعقد ہوئی یہ طریقہ درست نہیں لیکن آپ ﷺ نے ایسا کچھ نہیں بتایا۔ حضرت جابر نے بھی بعد میں کبھی اس ناقہ کے لوٹانے کی وجہ یہ شرط نہیں بتائی بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر کو نفع دینے کے لیے آپ ﷺ نے ان کی اونٹنی ان کو واپس کی۔

جواز کے قائلین فقہاء نے ایک یہ بھی دلیل دی ہے کہ اگر مبیع میں سے ایک خاص جزو کو بیع سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے تو ایک خاص مدت کے لیے معلوم منفعت کو بھی مستثنی کیا جاسکتا ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ تمام فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ میں تجھے یہ درخت بیچ دیئے سوائے ایک اس درخت کے تو یہ بیع درست ہے۔۔۔۔ یا میں نے تجھے یہ (کسی بھی چیز کا) ڈھیر بیچ دیا سوائے اس کے ثلث کے۔۔۔۔[44] تو جب عین کا استثناء کیا جاسکتا ہے تو منفعت کا معلوم مدت کے لیے استثنا بھی درست مانا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی بطور دلیل موجود ہے کہ جس نے کھجوروں کے درخت فروخت کیے اور ان کی تخم ریزی کی جاچکی ہو تو ان کا پھل بائع کو ملے گا سوائے اس کے کہ مشتری اس کی شرط لگالے[45]۔ جب مشتری شرط کے ذریعے بائع کے حق سے استثناء کر سکتا ہے تو بائع بھی مشتری کے حق سے شرط کے ذریعے استثناء کر سکتا ہے کہ اگر کوئی اپنا مکان فروخت کرے یا سواری فروخت کرے اور مشتری کو ساتھ یہ شرط لگادے کہ وہ فلاں علاقے تک اس سواری پر سفر کرے گا یا اتنی مدت تک اس مکان میں قیام کرے گا، تو یہ شرط درست ہو گی۔

مذکورہ بالا دلائل اور مناقشات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس شرط کی صحت کے قائلین فقہاء کی رائے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ نہ تو یہ شرط کسی نص شرعی کے خلاف ہے اور نہ عقد کے تقاضوں کے منافی ہے۔ فریقین اگر راضی ہوں تو خرید و فروخت میں اس سے سہولت کا پہلو نکلتا ہے تاہم قائلین فقہاء نے بھی اس کے لیے کچھ شرائط اور حدود مقرر کی ہیں جن کا ابتداء میں ذکر کیا جاچکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک ہی عقد میں ایک سے زیادہ شرائط لگانا

عاقدین میں سے کوئی فریق مبیع کے متعلق ایک سے زائد شرطیں لگائے اور وہ بذات خود صحیح اور جائز شرائط ہوں تو ان ایک سے زائد شرائط کا کیا حکم ہو گا؟ کیا ان سے عقد پر کوئی اثر پڑے گا؟ کیا ساری شرائط معتبر ہیں؟ ان مسائل کا مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر یہ شرائط ان شرائط میں سے ہیں جن کا عقد بذات خود تقاضا کرتا ہے تو ان میں کوئی حرج نہیں چاہے یہ ایک سے زائد شرائط ہوں جیسا کہ مبیع سے نفع حاصل کرنے کی شرط، مبیع پر تصرف حاصل کرنے کی شرط اور مبیع کو آگے فروخت کرنے کے اختیار کی شرط وغیرہ۔

اگر وہ شرائط ایسی ہیں جو مبیع کے متعلق کچھ لازمی صفات کے ساتھ متعلق ہیں تو یہ بھی ایک یا ایک سے زائد ہونے کی صورت میں عقد کو متاثر نہیں کرتیں کیونکہ اس بات پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ مبیع میں کسی خاص صفت کی شرط رکھی جاسکتی ہے جیسا کہ مبیع کا ماہر ہونا، مبیع کا کوئی خاص کام کرنے کی صلاحیت رکھنا، غلام کو کتابت کی مہارت اور جاریہ کو اچھا پکانے کی مہارت سے مشروط کرنا۔ یہ صفات ایک ہی مبیع میں ایک سے زائد بھی ہو سکتی ہیں جیسے کوئی شرط رکھے کہ غلام کتابت بھی جانتا ہو اور تیر اندازی بھی جانتا ہو۔ دور حاضر میں جدید مبیعات پر بھی اس کا اطلاق ہو گا جیسے کوئی گاڑی خریدنے کے لیے شرط رکھے کہ گاڑی ایک سال سے زیادہ پرانی نہ ہو، گاڑی ایکسیڈنٹ شدہ نہ ہو، گاڑی کا رنگ کمپنی والا جینیئن ہو وغیرہ۔ اس طرح کی صفات لازمہ والی شرائط بھی ایک سے زیادہ رکھی جاسکتی ہیں جن کو پورا کرنا بھی لازم ہے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

اسی طرح وہ شرائط جن کا عقد تقاضا تو نہیں کرتا لیکن وہ عقد کی بہتری، پختگی اور تحفظ کے لیے کردار ادا کرتی ہیں تو ایسی صفات بھی ایک سے زائد ہونے میں کوئی حرج نہیں جیسے کوئی ایک ہی عقد میں رہن، ضمین اور گواہی وغیرہ کی شرائط رکھ دے۔امام ابن قیم رحمہ اللہ کے حوالے سے تہذیب سنن ابی داود میں منقول ہے :فإنَّ شرط ما يقتضيه العقد، أو ما هو من مصلحته، كالرهن والتأجيل والضمين ونقد كذا= جائز بلا خلاف، تعددت الشروط أو اتحدت[46] کہ اگر شرائط ایسی ہوں جن کا عقد تقاضا کرتا ہے یا اس میں عقد کی مصلحت موجود ہے تو وہ جائز ہیں خواہ وہ کتنی ہی کیوں نہ ہوں۔امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ اگر اس نے ایک شرط لگائی یا دو شرطیں لگائیں جو عقد کے تقاضوں یا مصلحت پر مشتمل ہوں تو وہ چاہے جتنی بھی ہوں عقد کو متاثر نہیں کرتیں۔[47]

جہاں تک تعلق ہے ان شرائط کا جن کا نہ تو عقد تقاضا کرتا ہے نہ وہ عقد کے منافی ہیں اور عقد کے لیے ان میں کوئی مصلحت بھی موجود نہیں ہے جیسے کوئی مشتری عقد بیع میں بائع سے کہے کہ یہ جو لکڑیاں میں نے آپ سے خریدی ہیں آپ نے ان کو کاٹنا بھی ہے اور میرے گھر بھی پہنچانا ہے تو اس میں اگرچہ یہ جائز شرطیں ہیں لیکن ایک سے زائد ہیں۔تو ایسی شرائط کے متعلق فقہاء کی آراء مختلف ہیں :ایک قول امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے کہ یہ درست نہیں۔جیسا کہ پہلے اس پر تفصیل سے بحث کی جاچکی ہے کہ ان دونوں جلیل القدر فقہاء کے نزدیک تو ایسی ایک شرط بھی معتبر اور صحیح نہیں ہے۔دوسرا قول حنبلی فقہاء کا ہے کہ ایک شرط درست ہے اگر ایک سے زیادہ شرطیں ہوئیں تو وہ درست نہیں، خواہ وہ تمام شرطیں درست ہی کیوں نہ ہوں۔[48]تیسرا قول یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شرائط کے ساتھ بھی عقد ٹھیک ہے جب تک وہ شرائط درست ہوں۔یہ امام احمدؒ کا ایک قول ہے اور امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمھم اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[49]

پہلے قول کے قائلین کے دلائل سابقہ سطور میں گزر چکے ہیں۔دوسرے قول کے قائلین کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: عن عمرِو ابنِ شُعَيبٍ، عن أبيه، عن جَدِّه، أن النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- بَعَثَ عَتّابَ بنَ أَسِيدٍ فنَهاه عن شَرطَينِ في بَيعٍ، وعن سَلَفٍ وبَيعٍ، وعن بَيعِ ما لَيسَ عِندَكَ، وعن رِبحِ ما لَم تَضمَنْ[50]اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ایک بیع میں دو شرطوں سے منع فرمایا ہے۔لہذا نہی تحریم کا تقاضا کرتی ہے۔لیکن اس حدیث کے مدلول اور وضاحت سے متعلق فقہاء اور شارحین کی آراء مختلف ہیں اور تفصیل طلب بھی ہیں۔اس حدیث کا ایک مفہوم تو یہی مراد لیا گیا ہے کہ اس سے مراد ایک سے زیادہ شرطوں کی ممانعت ہے یہ مفہوم حدیث کے ظاہری الفاظ کا مفہوم ہے۔احناف، مالکیہ اور امام بغوی و خطابی وغیرھم کے نزدیک اس سے مراد ایک ہی مبیع کے متعلق نقد اور ادھار کے دو الگ الگ عقد ہیں مثلاً اگر نقد خریداری ہوگی تو یہ مبیع ایک ہزار میں ملے گی اور اگر ادھار ہوگی تو زیادہ قیمت کے ساتھ پندرہ سو میں ملے گی اور یہ بھی طے نہ کیا جائے کہ کون سی بیع فائنل ہوئی ہے۔[51] تبیین الحقائق میں اس کو مزید وضاحت سے بیان کیا گیا ہے" وصورة الشرطين فى بيع: ان يبيع عبيده بالف درهم الى سنة او بالف و خمس مائة الى سنتين ولم يبينا العقد على احدهما "[52]کہ کوئی شخص اپنا غلام اس شرط سے بیچے کہ اگر ایک سال کی مدت میں ادائیگی کرنی ہے تو ایک ہزار میں فروخت کرے گا اور اگر ادائیگی دو سال میں کرنی ہے تو پندرہ سو میں اور ان دونوں میں سے کسی عقد کی وضاحت نہ کی گئی ہو کہ کس پر اتفاق ہوا ہے ۔لیکن اس تشریح اور وضاحت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مفہوم حدیث کے الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتا۔کیونکہ مشروط کرنے کا عمل مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ہوتا ہے جب یہ بیان کردہ صورت تو زمانہ حال میں عقد کے بارے میں ہے کہ عقد کتنی قیمت پر ہوگا۔

اس حدیث کی ایک تیسری تفسیر بھی کی گئی ہے جس کو فقہاء نے بہت زیادہ کمزور تفسیر کہا ہے۔امام ابن قدامہؒ لکھتے ہیں کہ اثرمؒ نے امام احمدؒ سے ایک یہ بات نقل کی ہے کہ شرطین سے مراد دو فاسد شرطیں ہیں۔اس کے بعد ابن قیمؒ کا اس پر تبصرہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کمزور ترین تفسیر اور مفہوم ہے۔کیونکہ اگر اس سے مراد دو فاسد شرطیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے لفظ "دو" کیوں کہا یہ مقصد تو ایک فاسد شرط کے بول دینے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔[53]

تہذیب السنن میں امام ابن قیمؒ نے اس حدیث کے متعدد مفاہیم پر طویل بحث کی ہے متعدد اقوال ذکر کر کے ان پر تبصرہ اور نقد کیا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ :
فإذا تبين ضعف هذه الأقوال فالأولى تفسير كلام النبي - صلى الله عليه وسلم - بعضه ببعض، فنفسِّر كلامَه بكلامه فنقول: نظير هذا نهيه - صلى الله عليه وسلم - عن صفقتين في صفقة، وعن بيعتين في بيعة -جب ان مذکورہ اقوال کی کمزوری واضح ہو چکی ہے تو زیادہ مناسب یہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تفسیر ان کی دیگر احادیث کی روشنی میں کی جائے۔لہذا میرے نزدیک اس حدیث جیسی اور بھی احادیث ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے ایک صفقہ میں صفقتین سے منع کیا اور ایک بیع میں بیعتین سے منع فرمایا ہے۔اور سنن ابی داود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا «مَنْ بَاعَ

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.01 (2025)

بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا»[54] اور بيعتين فى بيعة کادرست وراجح مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کہے کہ تم مجھ سے یہ سامان 10(روپے) نقد میں خرید لو اور میں تم سے یہی سامان 20(روپے) میں ادھار خرید لیتا ہوں۔اس سے روکنے کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایک بیع میں دو بیع کیں تو وہ شخص یا تو کم قیمت وصول کرے گا یا وہ سود لے گا۔یہاں اصل مقصد سود سے روکنا ہے۔یہی مقصد دو شرطوں والی حدیث میں ہے لہذافشرطان في بيع كصفقتين في صفقة ۔امام ابن قیمؒ مزید لکھتے ہیں: اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے لیے اس حدیث کا مفہوم مزید واضح ہو تو اس حدیث پر غور کرو جسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے ایک بیع میں بیعتین سے منع کیا اور اسی حدیث میں " وعن سلف وبيع" کے الفاظ موجود ہیں۔اسی طرح اس زیر بحث حدیث میں بھی شرطین کے ساتھ "وعن سلف وبيع " کے الفاظ موجود ہیں۔جس سے یہ راز کھلتا ہے کہ یہ دونوں امور سود کی طرف لے کر جاتے ہیں اور اس کے ذریعے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔[55] اس بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابن قیمؒ نے اس حدیث سے مراد عینہ والا معاملہ لیا ہے کہ ایک شخص اپنے پیسوں کی ضرورت پوری کرنے کے کسی سے کہے کہ تم مجھ کو یہ چیز 2 لاکھ میں ادھار فروخت کر دو اور مجھ سے ڈیڑھ لاکھ میں نقد خرید لو۔کیونکہ امام ابن قیم آگے چل کر لکھتے ہیں: فإنه إذا باعه السلعة إلى شهر ثم اشتراها منه بما شرط له، كان قد باع بما شرط له بعشرة نسيئة. ولهذا المعنى حرم الله ورسوله العينة[56] اس نے کوئی سامان ایک ماہ کی مدت کے لیے ادھار فروخت کیا پھر اس سے طے شدہ شرط کے مطابق فوراً خرید لیا۔اسی وجہ سے اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے عینہ کو حرام قرار دیا ہے۔

ان تمام دلائل کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلے قول کے قائلین کے دلائل کی بنیاد ایک حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے لیکن یہ حدیث سنداً قابل قبول نہیں ہے۔دوسرے قول کے قائلین کہ ایک شرط جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں کی دلیل بھی ایک حدیث ہے جس کے مفہوم میں محدثین اور فقہاء کی متعدد اور ایک دوسرے سے یکسر مختلف آراء موجود ہیں اور امام ابن قیمؒ کا تفصیلی بحث کے بعد اس پر تبصرہ بہت زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے اسی طرح تیسرے قول کے قائلین جن میں امام ابن قیمؒ بھی شامل ہیں کے نزدیک یہ بھی دلیل دی جاتی ہے کہ جب ایک شرط کی اجازت موجود ہے اور اس سے عقد متاثر نہیں ہوتا تو اسی طرح اگر ایک سے زیادہ شرائط سے عقد متاثر نہ ہو تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

عاقدین میں سے کوئی فریق طے شدہ شرط پوری نہ کرے تو اس کا حکم

جب مشتری اور بائع کسی ایک شرط یا متعدد شرائط پر متفق ہو گئے اور عقد کر لیا لیکن بعد میں طے شدہ شرط پوری نہ کی گئی تو اس کے عقد پر کیا اثرات ہو گے ؟ متاثر فریق کو کس بات کا حق ہے اور کس بات کا حق نہیں ہے ؟ اس کے متعلق جمہور فقہاء جن میں احناف، مالکیہ اور شوافع شامل ہیں، کے مطابق جس فریق کی شرط پوری نہیں ہوئی اسے حق ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر دے یا اسی ثمن کے ساتھ بیع باقی رکھے۔[57] اور متاثرہ فریق کو چٹی یا تاوان وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔کیونکہ جب اس نے کسی کمی (شرط کی عدم تعمیل) کی صورت میں اس کے مطابق تاوان وصول کر لیا تو گویا کہ اس مبیع کی ثمن تبدیل ہو گئی جو کہ ایک فریق کی مرضی سے ہو گی جب کہ ثمن پر فریقین کا راضی ہونا ضروری ہے لہذا مشتری یا تو اسی ثمن پر مبیع رکھ لے یا عقد کو فسخ کر کے مبیع واپس کر دے۔

حنبلی فقہاء کی یہ رائے ہے کہ اسے اپنی عدم تعمیل شدہ شرط کے مطابق ارش وصول کرنے کا حق ہے کیونکہ جب عقد ہوا اور جو ثمن طے کی گئی وہ تمام اشیاء یعنی مبیع اور اس کے اوصاف کی تھی جب ایک وصف فوت ہوا تو اس کے مقابلے کی ثمن واپس لینا مشتری کا حق ہے۔[58] کچھ معاصر فقہاء نے اس میں تفصیل بھی بیان کی ہے کہ اگر بائع نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو اس سے ارش وصول کی جائے گی ورنہ مشتری یا تو عقد برقرار رکھے یا اسے فسخ کر دے۔[59]

2۔ مبیع کے متعلق لگائی گئی فاسد شرائط

مبیع کے متعلق لگائی گئی شرائط میں سے کچھ شرائط ایسی ہیں جو بوجوہ فاسد اور غیر صحیح شرائط ہیں۔ان میں سے کچھ شرائط تو واضح طور پر نص شرعی کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہیں اور کچھ تقاضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے، ان کا ذیل میں تذکرہ کیا جا رہا ہے:

مبیع کے متعلق نص شرعی کے خلاف شرائط

جو شرط نص شرعی کے خلاف ہو اس کے باطل ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَلَيْسَ لَهُ، وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ)[60] کتاب اللہ میں موجود نہ ہونے سے مراد ہے کہ وہ شرط

شریعت کے مزاج اور مقاصد کے خلاف نہ ہو۔امام کاسانیؒ لکھتے ہیں کہ اگر شرط حرام ہو جیسا کہ کسی جاریہ کی بیع میں یہ شرط لگانا کہ وہ مغنیۃ ہو تو بیع فاسد ہو گی کیونکہ غنا حرام صفت ہے یہ لہو ولعب کی قبیل سے ہے [61]

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ عقد یا شرط وہی قابل تعمیل ہے جو کتاب اللہ اور اللہ کے دین کے موافق ہو اگر دین کی مخالفت اس میں ظاہر ہو جائے تو اس کو رد کر دیا جائے گا(یعنی پورا نہیں کیا جائے گا) [62] کشاف القناع میں مرقوم ہے کہ اگر بیع میں رہن کے طور پر کسی ممنوع چیز کی شرط لگائی جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ تو یہ شرط درست نہیں ہو گی [63]

تقاضائے عقد کے خلاف شرائط

فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مبیع کے متعلق اگر ایسی شرط لگائی گئی جو عقد کے تقاضوں کے خلاف ہے تو وہ شرط بھی فاسد ہو گی۔اگرچہ آگے اس میں کچھ آراء مختلف ہیں کہ کون کون سی شرائط عقد کے تقاضوں کے خلاف ہیں اور کون سی نہیں ہیں۔تاہم جو بھی شرط مقتضی العقد کے خلاف ثابت ہو جائے وہ فاسد ہو گی۔مثلاً مشتری یہ شرط لگائے کہ میں یہ سامان خرید رہا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ اگر مبیع مجھ سے آگے کسی نے خرید لیا تو بہتر ہے ورنہ تم اسے واپس لینے کے پابند ہو گے۔اسی طرح مبیع کے متعلق بائع یہ شرط لگادے کہ تم مجھ سے یہ خرید لو لیکن تم اسے آگے فروخت نہیں کر سکتے۔جیسا کہ آج کل دفاعی سامان کی خرید وفروخت میں کچھ بائع ممالک یہ شرط طے کر کے سامان فروخت کرتے ہیں۔یا بائع یہ شرط لگادے کہ تم اسے کسی کو ہبہ نہیں کر سکتے وغیرہ۔یہ ایسی شرائط ہیں جو عقد کے مقصد کے خلاف ہیں کہ اگر مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے تو اسے یہ خریداری کرنے کا مکمل فائدہ نہیں ملے گا لہذا ایسی شرائط جو تقاضائے عقد کے خلاف ہوں وہ غیر صحیح اور فاسد شمار کی جائیں گیں کیونکہ مشتری جب مبیع کو خرید لیتا ہے تو مبیع مشتری کی ملکیت میں آجاتا ہے اس ملکیت کا تقاضا ہے کہ مشتری اس میں جیسے چاہے تصرف کرے۔چاہے تو اسے خود استعمال کرے،چاہے تو کسی کو فروخت کر دے اور چاہے تو کسی کو بطور تحفہ دے۔

نتائج:

مذکورہ شرائط کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عقد بیع میں فریقین مبیع کے متعلق اگر ایسی شرائط لگاتے ہیں جس کا عقد بذات خود تقاضا کرتا ہے جیسے مشتری کی طرف سے مبیع میں تصرف کرنے کے حق کی شرط لگانا، تو یہ شرط بالاتفاق جائز ہے۔اگر کوئی عاقد ایسی شرط رکھے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا لیکن شرط رکھنے والے کو اس کا فائدہ ہے جیسے وہ کہے کہ مبیع ایسا جانور ہو جو دودھ دینے والا ہو تو فقہاء کرام نے اس شرط کو بھی جائز قرار دیا ہے۔مبیع میں شرائط کی ایک صورت یہ ہے کہ عاقدین میں سے کوئی ایسی شرط رکھے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا لیکن اس شرط کا نفس عقد کو فائدہ ہے۔جیسے عقد میں ضامن کی شرط رکھنا یا ثمن کی ادائیگی تک کوئی چیز رہن کے طور پر حوالے کرنے کی شرط رکھنا وغیرہ۔فقہاء کرام نے اس شرط کو بھی درست قرار دیا ہے۔ایک صورت یہ ہے کہ مبیع کے متعلق ایسی شرط رکھنا جس کا نہ تو عقد تقاضا کرتا ہے نہ وہ شرط عقد کی مصلحت سے تعلق رکھتی ہے بلکہ عاقدین میں سے کسی ایک کو اس شرط سے اضافی فائدہ مل رہا ہے جیسے کوئی بائع یہ شرط رکھے کہ جانور فروخت کرنے کے بعد بھی کچھ مسافت میں اسی جانور پر سوار ہو کر طے کروں گا یا یہ گھر فروخت کرنے کے بعد بھی کچھ عرصہ میں اسی گھر میں رہائش رکھوں گا۔ایسی شرط کے متعلق فقہاء کی آراء مختلف فیہ ہیں تاہم راجح موقف یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر فریقین راضی ہوں اور کسی فریق کی حق تلفی یا غرر کا معاملہ نہ بن رہا ہو تو شرط جائز ہے۔اسی طرح ایک عقد میں ایک سے زیادہ جائز شرطیں بھی رکھی جا سکتی ہیں۔فریقین میں سے اگر ایک فریق طے شدہ شرط پوری نہ کرے تو متاثرہ فریق کو عقد بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصادر و مراجع

1 لفظ شرائط،شرط کی جمع ہےالتعریفات الفقھیہ میں مرقوم ہے: الشرطُ ما يتوقف عليه وجود الشيء ويكون خارجاً عن ماهيته[1] شرط سے مراد وہ جس پر کسی چیز کا پایا جانا موقوف ہو اور وہ اس چیز کے وجود سے الگ ہو۔(برکتی، محمد عمیم الاحسان المجددی،البرکتی،التعریفات الفقھیہ،دار الکتب العلمیہ،2003م،ص:121)

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

[2] عثیمین، محمد بن صالح، الشیخ (ت 1421ھ)، الشرح الممتع علی زاد المستقنع، دار ابن جوزی، طبع اول، 1428ھ، 223/8

[3] ابن قیم، محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد، شمس الدین الجوزی (751ھ)، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، 1991ء: 344/1

[4] سورۃ المومنون: 08

[5] سورۃ البقرۃ: 275

[6] سورۃ النساء: 29

[7] عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، امام (852ھ)، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، 1379ھ: 405/4

[8] طبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، أبو جعفر (ت ۳۱۰ھ)، تھذیب الآثار و تفصیل الثابت عن رسول اللہ من الأخبار، مسند علی بن ابی طالب، مطبعہ المدنی القاہرہ، طبع و سن ندارد، ص: 251

[9] مجلۃ الاحکام العدلیۃ: دفعہ نمبر: 45-44

[10] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام، تقی الدین، الحنبلی الحرانی الدمشقی، الفتاوی الکبری لابن تیمیہ، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، 1987م: 270/6 اور ابن قیم، محمد بن ابی بکر بن ایوب، ابو عبد اللہ، الجوزی، (ت 751ھ)، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، دار ابن حزم بیروت، طبع ثالث، 2019م،: 107/5

[11] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، المصري (ت 970ھ)، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار الکتاب الإسلامی، طبع دوم- بدون تاریخ: 92/6

[12] ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین، الدمشقي الحنفي (ت 1252ھ)، رد المحتار علی الدر المختار (حاشیہ ابن عابدین)، دار الفکر- بیروت، طبع دوم، 1966ء: 242/5، شرح فتح القدیر: 442/6، دسوقی، محمد بن احمد بن عرفہ، المالکی (1230ھ)، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، دار الفکر، بدون طبع و سن: 65/3، ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد بن محمد، موفق الدین، ابو محمد، الحنبلی (ت 620ھ)، المغنی، دار عالم الکتب للطباعہ والنشر والتوزیع، ریاض، طبع سوم، 1997ء: 156/4

[13] نووی، ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووي (ت 676ھ)، المجموع شرح المھذب، دار الفکر، 1347ھ: 447/9

[14] کاسانی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد، الحنفي (ت 587ھ)، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، طبع دوم، 1986ء: 172/5، المجموع: 447/9، شربینی، محمد بن احمد، شمس الدین، الخطیب الشافعی (ت 977ھ)، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، 1994ء: 34/2، المغنی: 165/4

[15] خرشی، محمد بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ (ت 1101ھ)، شرح الخرشی علی مختصر خلیل، دار الفکر للطباعہ- بیروت، طبع دوم، 1317ھ: 85/5

[16] المجموع: 392/9

[17] زرکشی، محمد بن عبد اللہ بن بھادر، بدر الدین، الشافعی (794ھ)، المنثور فی القواعد، وزارۃ الاوقاف الکویتیہ، طبع دوم، 1985ء،: 80/2، بہوتی، منصور بن یونس، کشاف القناع: 190/3

[18] سرخسی، محمد بن أحمد بن أبي سھل، شمس الائمہ (ت 483ھ)، المبسوط، دار المعرفہ- بیروت، طبع ندارد، 1993ء: 20/13، مواق، محمد بن یوسف بن ابی القاسم بن یوسف بن عبدری، ابو عبد اللہ، المالکی (897ھ)، التاج والاکلیل لمختصر خلیل، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، 1994ء: 438/4، مغنی المحتاج: 34/2، شرح منتھی الارادات: 28/2، کشاف القناع: 189/3

[19] تبیین الحقائق: 23/4، المبدع: 53/4

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

20 المبسوط:20/13،بدائع الصنائع:169/5

21 کشاف القناع:189/3

22 کبوتر یا فاختہ کی قسم کا ایک طوق دار پرند جس کی آواز بہت گونج دار ہوتی ہے، یہ عام طور پر سفید مائل یعنی خاکستری رنگ کا ہوتا ہے، شعرا اسے سرو کا عاشق قرار دیتے ہیں، مشہور پرند جس کی بولی کو کُوکُو کہا جاتا ہے اور حق سرّہٗ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(اردو لغت بورڈ:قُمری)

23 بدائع الصنائع:169/5

24 الفتاوی الھندیۃ:137/3

25 کشاف القناع:189/3،الانصاف:342/4

26 بدائع الصنائع:172/5

27 ابو اسحاق شیرازی(393تا476ھ)ایک ممتاز شافعی۔اشعری عالم اور فقیہ تھے۔مدرسہ نظامیہ،بغداد میں سب سے پہلے استاد تھے جو ان ہی کے اعزاز میں سلجوقی سلطنت کے وزیر نظام الملک طوسی نے تعمیر کروایا تھا۔

28 شیرازی،ابراہیم بن علی بن یوسف،ابو اسحاق(ت476ھ)،المھذب فی فقہ الامام الشافعی،دار الکتب العلمیہ،طبع و سن ندارد،:268/1

29 اعلام الموقعین عن رب العالمین:163/4

30 صحیح البخاری،کتاب الرھن،باب الرھن عند الیھود و غیرہ،حدیث:2378

31 شافعی،محمد بن ادریس،ابو عبداللہ،امام(ت204ھ)، الام،دار الفکر بیروت،طبع ثانی،1983ء،186/3

32 حاشیہ ابن عابدین:285/5،درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام:718/1

33 مالک بن انس بن مالک بن عامر،الامام(ت179ھ)، المدونۃ،دار الکتب العلمیہ،طبع اول،1994ء،266/3،المغنی:80/4

34 ابن رجب،عبد الرحمن بن أحمد بن رجب، أبو الفرج،البغدادي الحنبلي(ت795ھ)،تقریر القواعد و تحریر الفوائد(قواعد ابن رجب)،توزیع دار اطلس ،ریاض،طبع اول،2019ء،534/1

قاعدة[73] اشتراط نفع أحد المتعاقدين في العقد على ضربين:أحدهما: أن يكون استئجاراً له مقابلاً بعوض؛ فيصحُّ على ظاهر المذهب؛ كاشتراط المشتري على البائع خياطة الثَّوب، أو قصارته، أو حمل الحطب ونحوه، ولذلك يزاد به الثَّمن.

والثَّاني: أن يكون إلزاماً له لما لا يلزمه بالعقد، بحيثُ يجعل ذلك من مقتضى العقد ولوازمه مطلقاً، ولا يقابل بعوض؛ فلا يصحُّ .

35 المدونۃ:80/4

36 المغنی:80/4

37 المبسوط:18/13،بدائع الصنائع:169/5،المجموع للنووی:451/9،شرح معانی الآثار:41/4۔عینی،محمود بن احمد،بدر الدین،ابو محمد(855ھ)،عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری،دار الفکر،بیروت،طبع و سن ندارد:289/11

38 بدائع الصنائع:169/5

39 صحیح مسلم،کتاب المساقاۃ،باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ

حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ؛أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَا. فَأَرَادَ أَنْ يُسَيِّبَهُ. قَالَ: فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَدَعَا لِي وَضَرَبَهُ. فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ. قَالَ (بِعْنِيهِ بِوُقِيَّةٍ). قُلْتُ: لَا. ثُمَّ قَالَ (بِعْنِيهِ). فَبِعْتُهُ بِوُقِيَّةٍ.

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

وَاسْتَثْنَيْتُ عَلَيْهِ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي. فَلَمَّا بَلَغْتُ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ. فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ. ثُمَّ رَجَعْتُ. فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي. فَقَالَ (أَتُرَانِي مَاكَسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ؟ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ. فَهُوَ لك)

[40] الفتاویٰ الکبریٰ:145/5

[41] التمہید:186/22

[42] شرح معانی الآثار لطحاوی:42/4

[43] عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، امام(852ھ)، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت،1379ھ:318/5

[44] شرح نووی علی صحیح مسلم:195/10

[45] صحیح البخاری، کتاب البیوع، بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ أَوْ أَرْضًا مَزْرُوعَةً أَوْ بِإِجَارَةٍ، حدیث:2204

[46] ابن قیم، محمد بن ابی بکر بن ایوب، الجوزی(ت728ھ)، تہذیب سنن ابی داود، دار ابن حزم بیروت،2019ء:518/2

[47] المغنی:156/4

[48] شرح منتھی الارادات:30/2

[49] الفتاوی الکبری:80/4، اعلام الموقعین:344/1

[50] بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی، السنن الکبری للبیہقی، مرکز ھجر للبحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیہ القاھرہ، طبع اول،2011ء، حدیث:10784

[51] المبسوط:28/13، بدائع الصنائع:158/5، المدونۃ:151/4، شرح السنۃ للبغوی:145/8

[52] تبیین الحقائق:54/4

[53] المغنی:156/4

[54] سنن ابی داود، ابواب الاجارۃ، باب فیمن باع بیعتین فی بیعۃ، حدیث:3461

[55] تہذیب سنن ابی داود:519/2

[56] ایضاً:519/2

[57] تبیین الحقائق:23/4، شرح الخرشی علی مختصر خلیل:125/5، منہاج الطالبین:46

[58] الانصاف:340/4

[59] عثیمین، محمد بن صالح، الشیخ، الشرح الممتع علی زاد المستقنع، دار ابن جوزی، طبع اول،1428ھ:231/8

[60] صحیح البخاری، ابواب المساجد، باب ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد، حدیث:444

[61] بدائع الصنائع:169/5

[62] الجامع لاحکام القرآن لقرطبی:33/6

[63] کشاف القناع:194/3